ظفر احمد صدیقی

نسخۂ حمیدیہ: دریافت، گم شدگی، بازیافت

غالب نے اگرچہ اپنے کلام میں جابجا اپنے بختِ خفتہ کا رونا رویا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شاعرانہ شہرت وقبول کے لحاظ سے عموماً اور اپنے کلام کے نادر و نایاب قلمی نسخوں کی اچانک دستیابی کے لحاظ سے خصوصاً نہایت بیدار بخت واقع ہوئے تھے۔ اس سلسلے کا آغاز اس وقت ہوا جب ۱۹۱۸ء میں مولانا عبدالسلام ندوی نے کتب خانۂ حمیدیہ بھوپال میں غالب کے قدیم مسترد دیوان مکتوبہ ۱۸۲۱ء کی موجودگی کا انکشاف کیا اور مولانا سیّد سلیمان ندوی نے ماہ نامہ 'معارف' ستمبر ۱۹۱۸ء کے شذرات کے ذریعے علمی وادبی حلقوں کو اس گوہرِ بے بہا سے مطلع کیا۔ سیّد صاحب نے یہ اطلاع ان الفاظ میں دی تھی:

''ہمارے دوست مولانا عبدالسلام صاحب ندوی 'شعرالہند' کی خاطر آج کل کتب خانوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ بھوپال بھی پہنچے۔ وہاں کے کتب خانۂ حمیدیہ میں انھیں ایک انمول جواہر ملا، یعنی مرزا غالب کا اصلی مکمل اردو دیوان بلا حذف وانتخاب جو موجودہ دیوان سے ضخامت میں دونا ہے۔ نہایت عمدہ مُطلّا نسخہ ہے۔ کسی خوش مذاق کے ہاتھ وہ پڑا تھا۔ اس نے ان غزلوں کا مطبوعہ غزلوں سے مقابلہ کر کے اختلافِ نسخ بھی لکھ دیا ہے۔

یہ نسخہ اب جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب بجنوری مشیر تعلیمات بھوپال کے مطالعے میں ہے۔ موصوف آج کل دیوانِ غالب کی خدمت گذاری میں مصروف ہیں اور عن قریب ان کے نتائجِ فکر انجمن ترقیٔ اردو

کے ذریعے سے منظرِ عام پر آئیں گے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے التماس کیا ہے کہ اس نئے نسخے پر تقریظ لکھ کر وہ ناظرینِ معارف کے لیے مرحمت فرمائیں۔''(۱)

ڈاکٹر ابومحمد سحر کی اطلاع کے مطابق اس مخطوطے کے دریافت ہوتے ہی ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی زندگی میں سیّد ہاشمی فرید آبادی نے اسے خصوصی طور پر بھوپال آکر دیکھا تھا جس کا بیان ہاشمی صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''اس نایاب کلام کے مل جانے سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کو نہایت خوشی ہوئی اور انجمن ترقیٔ اردو کی جانب سے خاکسار نے بھوپال جا کر اس قلمی نسخے کی زیارت کی جو ۱۲۳۷ھ میں (جبکہ مرزا غالب کی عمر صرف پچیس برس کی تھی) تحریر کیا گیا تھا۔ لوح اور خاتمۂ کتاب کی عبارت نیز اشعار پر ایک ہی نظر ڈالنے کے بعد یہ تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہ مرزا غالب مرحوم ہی کا کلام ہے اور چونکہ بالکل ابتدائی زمانے میں نقل کرایا گیا تھا لہٰذا گو بعد کی غزلیں اس نسخے میں نہیں درج ہوئیں، تاہم وہ ابتدائی کلام تمام وکمال محفوظ رہ گیا جسے مرزا نے دیوان چھپواتے وقت خارج اور تلف کر دیا تھا۔''(۲)

ڈاکٹر ابومحمد سحر نے اپنے ایک مضمون 'نسخۂ بھوپال: چند انکشافات' میں یہ اہم اطلاعات بھی فراہم کی ہیں کہ کتب خانۂ حمیدیہ کے قدیم ریکارڈ کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ:

''اس مخطوطے کو ڈاکٹر بجنوری نے حمیدیہ لائبریری سے ۴/اگست ۱۹۱۸ء کو مستعار لیا تھا۔ ان کے انتقال [۷/نومبر ۱۹۱۸ء] کے بعد سرکاری طور پر یہ مخطوطہ نسخۂ حمیدیہ کی ترتیب کے لیے مفتی انوار الحق ڈائرکٹر تعلیمات کے پاس رہا اور پھر ۹/مارچ ۱۹۲۴ء کو ڈاکٹر بجنوری ہی کے نام پر واپس کیا گیا۔ اس کے بعد ۳/نومبر ۱۹۲۷ء کو ماسٹر ولی محمد نے اس کو جیسا کہ دیگر حوالوں سے معلوم ہے ڈاکٹر سیّد عبداللطیف کو حیدرآباد بھیجنے کے لیے کتب خانے سے اخذ کیا اور وہاں سے آنے کے بعد ۲۱/

جنوری ۱۹۲۸ء کو کتب خانے میں واپس کر دیا۔''[۳]

ڈاکٹر عبداللطیف کے بعد اس نسخے سے استفادہ کرنے والوں میں سب سے اہم نام پروفیسر حمید احمد خاں کا ہے۔ اس لیے یہاں ان کے بعض مشاہدات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مرتبہ 'دیوانِ غالب: نسخۂ حمیدیہ' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''مفتی انوار الحق کا نسخہ شائع ہوا تو یہ حقیقت مخفی نہ رہی کہ مطبوعہ نسخہ، قلمی نسخے کی صحیح نقل نہیں ہے۔ اس بارے میں شاید سب سے بڑی قباحت یہ ہوئی کہ مفتی صاحب کے نسخے میں کئی جگہ حاشیے کے اندراجات اور متن کے درمیان ضروری امتیاز قائم نہ رہ سکا۔ چنانچہ صحیح صورتِ حال کی دریافت کے لیے قلمی نسخے کا مطالعہ ضروری ہوگیا۔ اواخر اگست ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد دکن کے ایک سفر سے واپس لاہور آتے ہوئے بھوپال ٹھہر گیا اور سرکاری کتب خانے میں بیٹھ کر مطبوعہ نسخے اور قلمی نسخے کے اندراجات کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس موقع پر مجھے اندازہ ہوا کہ حواشی اور متن کا فرق ملحوظ نہ رکھنے سے قطع نظر مطبوعہ نسخے میں ایک بڑا فتور یہ پیدا ہوا ہے کہ قلمی نسخے میں غزلیات کی ترتیب مطبوعہ نسخے تک پہنچتے پہنچتے کچھ کی کچھ ہوگئی ہے۔... یہ صورتِ حال دیکھ کر میرے لیے لازم ہوا کہ میں اپنی پوری توجہ دو باتوں پر مرکوز رکھوں؛ اول یہ کہ قلمی نسخے کے مندرجات کی صحیح ترتیب متعین کروں اور دوم یہ کہ حاشیے اور متن کے اندراج کے معاملے میں قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے درمیان جہاں جہاں اختلاف ہے اس کے متعلق مفصل یادداشتیں لے لوں۔ افسوس ہے کہ وقت کی کوتاہی کے باعث میرے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ مخطوطے کے ہر شعر اور مصرع کو لفظ بہ لفظ دیکھ لیتا۔''[۴]

پروفیسر حمید احمد خاں کے بعد نامور محقق مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے ۱۹۴۴ء میں مذکور الصدر نسخے کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ 'دیوان غالب، نسخۂ عرشی' کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں نے کل ہند انجمن ترقی اردو کے اجلاس ناگپور (منعقدہ ۱۹-۲۰-۲۱ جنوری

> ۱۹۴۴ء) سے واپسی میں خاص اس نسخے کو دیکھنے کے لیے بھوپال میں دو دن قیام کیا تھا۔ اس مختصر مدت میں اس گوہرِ بے بہا کی حالت بھی دیکھی اور جہاں تہاں سے اصل اور مطبوعہ نقل کا مقابلہ بھی کیا۔''[۵]

قلمی نسخے سے مفتی انوار الحق کے مطبوعہ نسخے کے تقابل کے بعد مولانا عرشی نے یہ رائے قائم کی کہ مفتی صاحب تصحیح کا حق ادا نہ کر سکے اور اس میں ہر طرح کی غلطیاں راہ پا گئیں۔ اس ضمن میں مولانا نے جس طرح کی اغلاط کی نشان دہی کی ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ نسخۂ بھوپال کے بہت سے اشعار چھوڑ دیے ہیں۔
۲۔ متداول دیوان میں شعر موجود ہے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا۔
۳۔ نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں شعر موجود ہے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا۔
۴۔ نسخۂ بھوپال کا لفظ چھوڑ کر صرف متداول لفظ نقل کیا۔
۵۔ نسخۂ بھوپال میں شعر نہیں ہے اور پھر بھی اسے نسخۂ بھوپال کا ظاہر کیا ہے۔
۶۔ محل اصلاح غلط بتایا ہے۔
۷۔ نسخۂ بھوپال کی صحیح قرأت کو غلط چھاپ دیا ہے۔
۸۔ متداول قرأت کچھ ہے اور چھاپ کچھ دی گئی ہے۔
۹۔ کاپی نویس کی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہوسکی ہے۔[۶]

جنوری ۱۹۴۴ء کے بعد کسی نے اس نسخے کا مطالعہ کیا ہو، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ۱۹۴۸ء میں ہندوستان میں انضمام ریاست بھوپال کے بعد اس کی گم شدگی کی اطلاع ملتی ہے۔ چنانچہ مولانا عرشی لکھتے ہیں:

> ''ریاست بھوپال کے ہندوستان میں انضمام کے بعد یہ گوہر بے بہا کتب خانۂ حمیدیہ سے گم ہوگیا۔ میں نے جب اس کے متعلق لائبریرین سے خط لکھ کر دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ حمید اللہ خاں صاحب نواب بھوپال نے انضمام سے پہلے اسے اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔ خود نواب صاحب مرحوم

سے جناب آصف فیضی کی معرفت معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے پتا چلا ہے
کہ وہ نسخہ کتب خانے سے غائب ہو گیا۔''(۷)

اسی طرح اس نسخے کی بابت ایک استفسار کے جواب میں مولانا عرشی نے اپنے مکتوب مؤرّخہ ۸ مارچ ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کو لکھا:

''نواب صاحب مرحوم سے میں نے ان کے ایک دوست کے ذریعے معلوم کرایا تھا تو انھوں نے اس نسخے کے اپنے پاس ہونے سے انکار کر دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ خود میرا علم بھی یہی ہے کہ مَر جَر کی افراتفری میں کسی نے وہاں سے پار کر دیا۔ اب اللہ جانے کہ وہاں سے کہاں گیا۔ وہاں کے لائبریرین نے لکھا تھا کہ نواب صاحب نے منگا لیا تھا۔ اگر اس کا کہیں پتہ چل جائے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیے گا۔ مجھے اس کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ اگر وہ مل جائے تو بہت سے الفاظ کی تعیین کر سکوں گا۔''(۸)

ڈاکٹر ابو محمد سحر نے ۱۹۶۹ء میں غالب صدی کے موقع پر حمیدیہ کالج، بھوپال میں اپنے رفیق کار سیّد حامد حسین کے ساتھ اس کی تلاش کا ایک سنجیدہ منصوبہ بنایا۔ اس مشترکہ چھان بین کے نتیجے میں انھیں معلوم ہوا کہ نسخۂ بھوپال دیگر نادر مخطوطات کے ساتھ حمیدیہ لائبریری میں الماری نمبر ۴۷ میں رکھا ہوا تھا اور جہاں تک مولانا آزاد سینٹرل لائبریری، بھوپال میں جائزہ لیا جا سکا ان میں سے اب کوئی مخطوطہ اس لائبریری میں موجود نہیں۔ اس لیے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ:

''چونکہ اس سارے ذخیرے کے گم ہونے یا تلف ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے اور یہ زبانی روایت پہلے سے موجود ہے کہ ''نادرات'' نواب صاحب مرحوم نے حمیدیہ لائبریری سے واپس لے لیے تھے۔ اس لیے راقم الحروف کی ناقص رائے میں نسخۂ بھوپال کے گم یا تلف ہونے کا قیاس جس نسبت سے کم زور ہوتا ہے، اسی نسبت سے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ یہ مخطوطہ یا تو نواب صاحب مرحوم کے ذاتی کتب خانے کی زینت ہے یا انھیں کے توسط

سے کسی اور کے قبضے میں چلا گیا۔''(۹)

نسخۂ بھوپال کو دوبارہ دریافت کرنے کی تمام کوششوں کی ناکامی کے باوجود ڈاکٹر ابو محمد سحر مرحوم نے لکھا تھا:

''اگر یہ مخطوطہ تلف نہیں ہو گیا ہے تو اس طویل وعریض دنیا میں کسی فرد یا ادارے کے پاس سے کبھی نہ کبھی ضرور برآمد ہوگا۔ لیکن فی الحال اس کی حیثیت ہم بے خودوں کے طاق نسیاں کے ایک گل دستے سے زیادہ نہیں۔''(۱۰)

ڈاکٹر ابو محمد سحر کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی اور ۲۰۱۵ء میں اس گم شدہ نسخے کی بازیافت ہو گئی۔ اس بازیافت کا سہرا اولاً شہاب ستار اور ثانیاً ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی کے سر جاتا ہے۔ مہر اس نسخے پر اپنے تعارف میں لکھتی ہیں:

''یہ نسخہ مجھے شہاب ستار کی وساطت سے دست یاب ہوا۔ شہاب نے اسے لندن میں نایاب کتابوں کے ایک بیوپاری سے حاصل کیا تھا۔''

اس مخطوطے پر مہر افشاں کا تعارف مفصل اور مبسوط ہے۔ انھوں نے متعدد اہم سوالات اٹھائے ہیں اور ان کے حل تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس مخطوطے کو اس کی اصل شکل میں شائع کرا دیا ہے۔

شہاب ستار نے اصل مخطوطے کی ڈیجیٹل شکل تیار کی ہے۔ وہ اس نسخے پر اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''ایک مجلد مخطوطے سے ڈیجیٹل کاپی تیار کرنا تکنیکی طور پر آسان کام نہیں تھا۔ لیکن اس بات کی پوری احتیاط برتی گئی ہے کہ مخطوطے کو جس حد تک ممکن ہو، اس کی اصل شکل وشباہت، جسامت اور حالت میں پیش کیا جائے۔ ہم نے جان بوجھ کر مخطوطے کے اندر پائی جانے والی کتنی خرابیوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ خوش قسمتی سے یہ مخطوطہ ہر طرح کے حالات سے گذر کر ہمارے پاس موجود ہے اور ہم اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔...(شہاب ستار، ڈھاکہ، اکتوبر ۲۰۱۵ء)

راقم الحروف کو اس مخطوطے کا ڈیجیٹل شکل میں شائع شدہ ایک نسخہ ۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء کو ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی کی عنایت سے قیمتاً حاصل ہوا ہے۔ میں نے اس مخطوطے کی ابتدائی پانچ غزلوں کا تقابلی مطالعہ مفتی انوارالحق، پروفیسر حمید احمد خاں اور مولانا عرشی کے مطبوعہ متون سے کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس سے متعلق چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

مخطوطے کی پہلی غزل کا مطلع نہایت مشہور ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اصل نسخے میں یہ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ مفتی انوار اور پروفیسر حمید دونوں کا متن اور اشعار کی ترتیب اصل کے مطابق ہے۔ مولانا عرشی نے 'گنجینۂ معنی' میں صرف چار متروک شعر نقل کیے ہیں۔ اس غزل کا مقطع اس طرح ہے:

وحشتِ خواب عدم شورِ تماشا ہے اسدؔ
جو مژہ جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اصل مخطوطے میں مصرعِ ثانی کا پہلا لفظ 'جو' ہے۔ تینوں مرتبین دیوانِ غالب نے بھی 'جو' ہی لکھا ہے۔ لیکن بیاضِ غالب بخط غالب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صحیح لفظ 'جز' ہے اور 'جو' سہوِ کاتب ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ صحیح لفظ کی طرف مولانا عرشی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوسکا۔

● قلمی نسخے میں چھے اشعار پر مشتمل دوسری غزل کا مطلع اس طرح ہے:

جنوں گرم انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا
سویدا تا بہ لب زنجیریِ دودِ سپند آیا

اس شعر کے مصرعِ ثانی میں غلط قرأت کے سبب مفتی انوار نے 'زنجیری' کو 'زنجیر سے' لکھ دیا ہے۔ پروفیسر حمید نے بھی اس غلطی کی پیروی کی ہے۔ البتہ مولانا عرشی نے اصل کے مطابق صحیح لفظ 'زنجیری' لکھا ہے۔

اس غزل کا پانچواں شعر اصل نسخے میں اس طرح ہے:

عدم ہے خیرخواہِ جلوہ کو زندانِ بیتابی
خرامِ ناز، برقِ خرمنِ سعی سپند آیا

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں بھی غلط قرأت کے سبب مفتی انوار اور پروفیسر حمید دونوں نے 'سعی سپند' کو 'سعیِ پسند' لکھ دیا ہے۔ البتہ مولانا عرشی نے اصل کے مطابق صحیح متن کا اندراج کیا ہے۔

● قلمی نسخے کے مطابق تیسری غزل کا مطلع ہے:

عالم جہاں بہ عرضِ بساطِ وجود تھا
جوں صبح چاکِ جیب مجھے تار و پود تھا

اصلاً یہ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ مفتی انوار کے مرتبہ دیوان میں اس غزل کا تیسرا شعر شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ پروفیسر حمید نے بھی انھیں کی پیروی کی ہے۔ البتہ مولانا عرشی کے یہاں یہ شعر موجود ہے جو اس طرح ہے:

عالم طلسمِ شہرِ خموشاں ہے سر بسر
یا میں غریبِ کشورِ گفت و شنود تھا

● چوتھی غزل چھے اشعار پر مشتمل ہے جس کا مطلع حسب ذیل ہے:

شمارِ سُبحہ مرغوبِ بت مشکل پسند آیا
تماشائے بہ یک کف بردنِ صد دل پسند آیا

اس غزل کا چوتھا شعر اصل میں اس طرح ہے:

ہوئی جس کو بہارِ فرصتِ ہستی سے آگاہی
برنگِ لالہ جامِ بادہ پرمحمل پسند آیا

اس شعر کے مصرعِ ثانی میں بھی غلط قرأت کے سبب مفتی انوار اور پروفیسر حمید دونوں نے 'پر' کو 'بر' لکھ دیا ہے۔ البتہ مولانا عرشی نے یہاں بھی صحیح متن یعنی 'پر' لکھا ہے۔

● پانچویں غزل سات اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا مطلع حسبِ ذیل ہے:

تنگی رفیقِ رہ تھی عدم یا وجود تھا
میرا سفر بہ طالعِ چشمِ حسود تھا

اس غزل کا مقطع اس طرح ہے:

خور شبنم آشنانہ ہوا ورنہ میں اسدؔ
سر تا قدم گذارشِ ذوقِ سجود تھا

مفتی انوار، پروفیسر حمید اور مولانا عرشی تینوں نے اس شعر کے مصرعِ ثانی میں لفظ 'گزارش' کو 'ز' سے لکھا ہے۔ حالانکہ اصل قلمی نسخے میں یہ لفظ 'ذال' سے لکھا ہوا ہے۔ مفتی انوار اور مولانا عرشی دونوں کا خیال ہے کہ زیرِ بحث نسخہ غالبؔ کے لیے لکھا گیا تھا یا ان کی نگاہ سے ایک سے زائد بار گزرا تھا۔ اس لیے اس نسخے میں 'گذارش' کا ذال سے لکھا جانا اس بات کی علامت ہے کہ اس نسخے کے سالِ کتابت یعنی ۱۲۳۷ھ تک غالبؔ نے فارسی الفاظ میں ذال کے انکار کا موقف اختیار نہیں کیا تھا۔ ان حقائق کے پیشِ نظر بہتر یہی تھا کہ اس شعر میں 'گذارش' کو اصل کے مطابق ذال سے لکھا جاتا۔ واضح رہے کہ اس مخطوطے میں نیز بیاضِ غالب بخطِ غالب میں 'گذشتن' اور اس کے مشتقات کو بھی ہر جگہ ذال ہی سے لکھا گیا ہے۔ اس سے بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

نگاہِ دیدۂ نقشِ قدم ہے جادۂ راہ
گذشتگاں اثرِ انتظار رکھتے ہیں

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گذشتہ
تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

محیطِ دہر میں بالیدن از ہستی گذشتن ہے
کہ یھاں ہر یک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ نسخۂ حمیدیہ کی بازیافت اور اصل شکل میں اس کی اشاعت ہمارے عہد کا ایک عظیم الشان ادبی واقعہ ہے۔ اس سے مطبوعہ نسخۂ حمیدیہ کی تصحیح میں مدد ملے گی اور غالبؔ کے غیر متداول کلام سے متعلق بحث وتمحیص کے نئے دروازے کھلیں گے۔

آخر میں اہلِ علم کو اس طرف متوجہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت کے بعد نظمؔ طباطبائی نے اپنے ایک شاگرد عبدالرزاق راشدؔ کی درخواست پر ''اصلاحاتِ غالب'' کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ اس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ غالبؔ نے اپنے اشعار میں جو ردوبدل کیا ہے اور دیوان سے جو اشعار خارج کیے ہیں تو اس کی وجوہ کیا ہیں؟ اس کتاب کی اشاعت طباطبائی کی وفات کے بعد ۱۹۶۶ء میں ہوئی۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ غالبؔ نے اپنے دیوان کی پہلی غزل میں ایک شعر اس طرح کہا تھا:

آتشیں پا ہوں گدازِ وحشتِ زنداں نہ پوچھ
موئے آتش دیدہ ہے ہر حلقہ یھاں زنجیر کا

بعد میں ردوبدل کر کے اسے انھوں نے یوں کر دیا:

بسکہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

اس اصلاح پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے طباطبائی لکھتے ہیں:

''آتشیں پا اور آتش زیر پا کا ایک ہی مطلب ہے۔ ان میں کا ایک لفظ حلقۂ زنجیر کو موئے آتش دیدہ بنانے کے لیے کافی تھا۔ پھر گدازِ وحشتِ زنداں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس سے معنی میں الجھن پیدا ہوگئی تھی کہ آیا حلقۂ زنجیر کو آتشیں پا ہونے سے موئے آتش دیدہ کا وصف حاصل ہوا ہے یا گدازِ وحشت کے سبب سے۔ مصنف نے گدازِ وحشت کو نکال ڈالا۔ اب مطلب صاف ہوگیا۔''

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غالبؔ کا غیر متداول بھی کیسا لائقِ توجہ ہے۔

حواشی

۱۔ ماہ نامہ معارف،اعظم گڑھ،ستمبر۱۹۱۸ء،ص۱۶
۲۔ غالبیات کے چندمباحث،ص۶۵، بہ حوالہ دیوانِ غالب جدید(نسخۂ حمیدیہ) تبصرہ از سیّد ہاشمی،اورنگ آباد، سہ ماہی اردو،اکتوبر۱۹۲۲ء،ص۷۰۴
۳۔ غالبیات چند مباحث،محولۂ بالا،ص۹۱۔۹۲
۴۔ حمیداحمدخاں،مقدمہ نسخۂ حمیدیہ(لاہور:مجلسِ ترقیٔ ادب،۱۹۶۹ء)ص۲۰۔۲۱
۵۔ مقدمہ،دیوانِ غالب،نسخۂ عرشی،طبع دوم،ص۸۶
۶۔ محولۂ بالا،ص۴۹۔۵۰
۷۔ محولۂ بالا،ص۹۲
۸۔ غالبیات چندمباحث،ص۶۴
۹۔ محولۂ بالا،ص۸۷۔۹۳
۱۰۔ ایضاً،ص۶۴

مآخِذ

۱۔ سحر،ابومحمد،غالبیات چندمباحث،(لکھنؤ:نسیم بک ڈپو،مئی۱۹۸۲ء)طبع اول۔
۲۔ غالبؔ،اسداللہ خاں،بیاضِ غالب بخطِ غالب،مرتبہ نثاراحمدفاروقی،مشمولہ نقوش،غالب نمبر (حصہ دوم)،لاہور:ادارۂ فروغِ اردو،۱۹۸۴ء۔
۳۔ ________ دیوان غالب جدید (المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ) مرتبہ مفتی محمدانوارالحق،بھوپال:مدھیہ پردیش اردواکادمی،۱۹۸۲ء،طبعِ دوم:عکسی
۴۔ ________ دیوانِ غالب،نسخۂ حمیدیہ،پروفیسرحمیداحمدخاں،لاہور:مجلس ترقی ادب،جون۱۹۹۲ء،طبع دوم۔
۵۔ ________ دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) مرتبہ مولانا امتیازعلی خاں عرشی،دہلی:انجمن ترقی اردو،ہند،۱۹۸۲ء، طبع دوم۔
۶۔ ________ نسخۂ حمیدیہ(اصل مخطوطۂ دیوان کی ڈیجیٹل شکل) مع تعارف ازمہرافشاں فاروقی،پیش لفظ،شہاب ستار،مؤرّخہ اکتوبر۲۰۱۵ء،سنہ و مطبع ندارد۔
۷۔ ندوی،سیّدسلیمان،شذرات،ماہ نامہ معارف،اعظم گڑھ،ستمبر۱۹۱۸ء
۸۔ نظم طباطبائی،اصلاحاتِ غالب،مرتبہ عبدالرزاق راشد،حیدرآباد:اعجازپریس،۱۹۶۶ء۔
۹۔ ہاشمی،سیّد،(مبصر)،دیوانِ غالب جدید(نسخۂ حمیدیہ)،مشمولہ اردو،اورنگ آباد،اکتوبر۱۹۲۲ء۔